

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

جنگ عظیم اول کا خاتمہ اور معاصرے اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم کا تجزیاتی مطالعہ

Mubashar Hussain

M Phil Islamic studies

The University of Punjab Lahore

mubasharhussain0739@gmail.com

Shahnaz bibi

M.Phil Islamic Studies

University of Okara

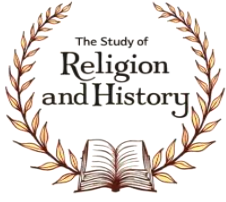
shahnazraza540@gmail.com

Abstract-

The end of the First World War (1914–1918) marked a decisive turning point in world history and fundamentally transformed the political and geographical landscape of the Islamic world. The collapse of the Ottoman Empire, which had long served as a symbol of political unity for many Muslims, created a power vacuum that enabled the victorious European powers to redraw the map of the Middle East and other Muslim-majority regions in accordance with their strategic and colonial interests. Through agreements such as the Sykes–Picot Agreement and the implementation of the Mandate System under the League of Nations, new territorial boundaries were established that often disregarded historical, ethnic, religious, and cultural realities. These developments laid the foundation for numerous political disputes, sectarian divisions, border conflicts, and governance challenges that continue to influence the contemporary Islamic world.

This article presents an analytical study of the geopolitical consequences of the First World War, with particular emphasis on the territorial fragmentation of Muslim lands and its enduring political, social, and ideological implications. It examines the motives behind the colonial restructuring of the region, the emergence of modern nation-states, and the decline of transnational Islamic political authority. Furthermore, the study evaluates how externally imposed borders and colonial administrative policies contributed to regional instability, identity crises, and prolonged conflicts. By employing a historical and analytical approach, the article argues that many of the contemporary geopolitical challenges facing the Islamic world are deeply rooted in the post-war settlement and the reconfiguration of its political geography. The study concludes that a comprehensive understanding of these historical transformations is essential for interpreting present-day regional dynamics and for developing informed perspectives on peace, stability, and cooperation within the Muslim world.

جنگ عظیم اول (1914ء تا 1918ء) بیسویں صدی کا ایک ایسا عالمی واقعہ تھا جس نے دنیا کے سیاسی، معاشی، سماجی اور جغرافیائی ڈھانچے کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ یہ جنگ بنیادی طور پر یورپی طاقتوں کے درمیان سیاسی رقابت، نوآبادیاتی مفادات، عسکری اتحادوں اور قوم پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے نتیجے میں شروع ہوئی، لیکن جلد ہی اس نے عالمی شکل اختیار کر لی۔ اس جنگ میں دنیا کی بڑی طاقتیں دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئیں، جن میں اتحادی طاقتیں اور مرکزی طاقتیں شامل تھیں۔ تقریباً چار سال تک جاری رہنے والی اس تباہ کن جنگ کے نتیجے میں لاکھوں افراد ہلاک ہوئے، بے شمار شہر اور بستیاں تباہ ہوئیں اور کئی عظیم سلطنتیں تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئیں۔



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

جنگِ عظیم اول کے سب سے اہم نتائج میں سلطنتِ عثمانیہ کا زوال نمایاں ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کئی صدیوں تک عالم اسلام کی سیاسی اور عسکری قوت کا مرکز رہی اور اس کی حدود تین براعظموں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تاہم جنگ میں شکست کے بعد اس عظیم سلطنت کو شدید سیاسی اور جغرافیائی نقصان اٹھانا پڑا۔ فاتحِ استعماری طاقتوں، خصوصاً برطانیہ اور فرانس، نے سلطنتِ عثمانیہ کے زیر انتظام عرب علاقوں کو مختلف معاہدات اور منصوبوں کے تحت تقسیم کر لیا۔ اس تقسیم کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ کے سیاسی نقشے میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور متعدد نئی ریاستیں وجود میں آئیں۔ جنگ کے بعد طے پانے والے معاہدات، خصوصاً سائیکس پیکو معاہدہ اور معاہدہ سیورے، نے اسلامی دنیا کے جغرافیائی خدوخال کو از سر نو مرتب کیا۔ ان معاہدات کے تحت ایسی سرحدیں قائم کی گئیں جو اکثر تاریخی، ثقافتی، نسلی اور مذہبی حقائق سے ہم آہنگ نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد ازاں ان علاقوں میں سیاسی عدم استحکام، نسلی تنازعات، سرحدی اختلافات اور قومی شناخت کے مسائل پیدا ہوئے، جن کے اثرات آج تک محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

معاصر اسلامی دنیا کی سیاسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے جنگِ عظیم اول کے بعد ہونے والی جغرافیائی تقسیم کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ موجودہ مشرق وسطیٰ کے بہت سے تنازعات، فلسطین کا مسئلہ، عرب قوم پرستی کی تحریکیں، علاقائی کشیدگیاں اور بعض داخلی بحران اسی تاریخی پس منظر سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے جنگِ عظیم اول کے خاتمے اور اس کے نتیجے میں اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم کا تجزیاتی مطالعہ نہ صرف ایک تاریخی ضرورت ہے بلکہ عصر حاضر کے سیاسی حالات کو سمجھنے کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ زیر نظر اسائنمنٹ میں جنگِ عظیم اول کے اختتام، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال، استعماری طاقتوں کی پالیسیوں، اسلامی دنیا کی نئی جغرافیائی تشکیل اور ان کے طویل المدتی سیاسی و سماجی اثرات کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا تاکہ معاصر اسلامی دنیا کے موجودہ حالات کی تاریخی بنیادوں کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔

1- جنگِ عظیم اول: پس منظر اور اسباب

جنگِ عظیم اول انسانی تاریخ کی ان تباہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے عالمی سیاست، معیشت اور بین الاقوامی تعلقات کی سمت کو تبدیل کر دیا۔ یہ جنگ 28 جولائی 1914ء کو شروع ہوئی اور 11 نومبر 1918ء تک جاری رہی۔ اگرچہ جنگ کے فوری آغاز کا سبب آسٹریا کے ولی عہد آرش ڈیوک فرانز فرڈیننڈ کا سر بیا کے ایک قوم پرست نوجوان کے ہاتھوں قتل تھا، لیکن حقیقت میں اس جنگ کے اسباب کئی دہائیوں پر محیط سیاسی، عسکری اور معاشی عوامل کا نتیجہ تھے۔¹

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز میں یورپی ممالک کے درمیان نوآبادیاتی تسلط حاصل کرنے کی شدید دوڑ جاری تھی۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور اٹلی افریقہ اور ایشیا کے مختلف علاقوں پر قبضے کے لیے ایک دوسرے سے برس پیکار تھے۔ جرمنی کے صنعتی اور عسکری عروج نے برطانیہ اور فرانس کے لیے خطرات پیدا کر دیے تھے، جس کے نتیجے میں یورپی طاقتوں کے درمیان کشیدگی میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔²

اس جنگ کا ایک اہم سبب یورپ میں عسکریت پسندی (Militarism) کا فروغ بھی تھا۔ بڑی طاقتوں نے اپنی فوجی قوت میں بے پناہ اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جدید ہتھیاروں کی تیاری، بحری بیڑوں کی توسیع اور فوجی اخراجات میں اضافہ اس امر کی نشاندہی کرتا تھا کہ یورپی ممالک جنگ کے لیے ذہنی اور عملی طور پر تیار ہو رہے تھے۔ جرمنی اور برطانیہ کے درمیان بحری برتری کی دوڑ نے حالات کو مزید سنگین بنا دیا۔³

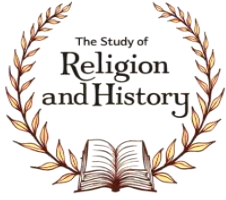
جنگِ عظیم اول کے اسباب میں خفیہ فوجی اتحادوں کا نظام بھی نہایت اہم تھا۔ یورپ دو بڑے اتحادوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک طرف جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور اٹلی کا سہ فریقی اتحاد (Triple Alliance) تھا جبکہ دوسری جانب برطانیہ، فرانس اور روس پر مشتمل سہ فریقی مفاہمت (Triple Entente) موجود تھی۔ ان اتحادوں کا مقصد اگرچہ باہمی دفاع تھا، لیکن اس کے نتیجے میں کسی ایک ملک کے ساتھ تنازع پورے یورپ کو جنگ میں دھکیل سکتا تھا، اور بالآخر یہی ہوا۔⁴

1- نور الدین حاتم، تاریخِ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء، ج 1، ص 421

2- عبدالعزیز سالم، تاریخ اور نگِ عالم، دارالکتب العربیہ، قاہرہ، 2005ء، ج 2، ص 118

3- محمد سہیل عمر، جدید یورپ کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ج 1، ص 233

4- ایچ۔ اے۔ ایل۔ فشر، تاریخِ یورپ، مترجم: محمد اجمل، مکتبہ جدید، لاہور، 2008ء، ج 2، ص 76



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

قوم پرستی (Nationalism) بھی جنگ کے اسباب میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ بلقان کے خطے میں مختلف قومیں اپنی آزادی اور خود مختاری کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ سرب قوم پرستی نے آسٹریا-ہنگری کی سلطنت کے لیے مشکلات پیدا کر رکھی تھیں۔ بلقان کی ریاستوں میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی نے یورپ کو ایک مستقل بحران میں مبتلا کر دیا تھا۔ آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ کا قتل بھی اسی قوم پرستانہ تحریک کا نتیجہ تھا جس نے جنگ کی چنگاری کو بھڑکا دیا۔⁵

28 جون 1914ء کو سارایوو میں آسٹریا کے ولی عہد آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ اور ان کی اہلیہ کو قتل کر دیا گیا۔ آسٹریا نے اس واقعے کا ذمہ دار سربیا کو قرار دیتے ہوئے سخت مطالبات پیش کیے۔ جب سربیا نے تمام مطالبات تسلیم نہ کیے تو آسٹریا نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ روس سربیا کی حمایت میں میدان میں آیا، جرمنی نے آسٹریا کا ساتھ دیا، جبکہ فرانس اور برطانیہ روس کے اتحادی ہونے کے باعث جنگ میں شامل ہو گئے۔ یوں چند ہفتوں کے اندر ایک مقامی تنازع عالمی جنگ میں تبدیل ہو گیا۔⁶

جنگ عظیم اول میں سلطنت عثمانیہ نے بھی جرمنی اور آسٹریا کے اتحاد کا ساتھ دیا۔ عثمانی حکومت کو امید تھی کہ جنگ میں کامیابی کے ذریعے وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کر لے گی، لیکن جنگ کے اختتام پر اسے شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ یہی شکست بعد ازاں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے اور اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم کا سبب بنی، جس کے اثرات آج تک مشرق وسطیٰ اور عالم اسلام میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ (محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانیہ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء، ج2، ص344)

جنگ عظیم اول کسی ایک واقعے کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ سامراجی رقابت، عسکریت پسندی، خفیہ اتحادوں، قوم پرستی اور سیاسی کشیدگی جیسے متعدد عوامل نے مل کر اس جنگ کی بنیاد رکھی۔ اس جنگ نے نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کے سیاسی نقشے کو بدل دیا اور خصوصاً اسلامی دنیا کے لیے ایک نئے تاریخی دور کا آغاز ثابت ہوئی۔

2- جنگ عظیم اول کے اختتام کے عالمی اثرات

جنگ عظیم اول کا خاتمہ 11 نومبر 1918ء کو ہوا، لیکن اس کے اثرات صرف میدان جنگ تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے پوری دنیا کے سیاسی، معاشی، سماجی اور جغرافیائی نظام کو متاثر کیا۔ اس جنگ میں تقریباً ایک کروڑ فوجی اور لاکھوں شہری ہلاک ہوئے جبکہ کروڑوں افراد زخمی، بے گھر اور معاشی مشکلات کا شکار ہوئے۔ جنگ کے نتیجے میں عالمی طاقتوں کا توازن تبدیل ہوا اور کئی قدیم سلطنتیں زوال پذیر ہو گئیں۔⁷

جنگ کے خاتمے کا سب سے نمایاں سیاسی اثر یورپ کی بڑی سلطنتوں کا خاتمہ تھا۔ جرمن سلطنت، آسٹریا-ہنگری سلطنت، روسی سلطنت اور سلطنت عثمانیہ جیسی طاقتور ریاستیں یا تو مکمل طور پر ختم ہو گئیں یا ان کی سیاسی حیثیت بنیادی طور پر تبدیل ہو گئی۔ ان سلطنتوں کے خاتمے کے نتیجے میں یورپ اور مشرق وسطیٰ میں متعدد نئی ریاستیں وجود میں آئیں جن میں پولینڈ، چیکوسلواکیہ، یوگوسلاویہ اور دیگر ممالک شامل تھے۔⁸

جنگ کے بعد فاتح طاقتوں نے جرمنی کے ساتھ معاہدہ ورسائی منعقد کیا جس کے تحت جرمنی پر بھاری جنگی جرمانے عائد کیے گئے، اس کی فوجی طاقت محدود کر دی گئی اور اس کے بعض علاقے اس سے الگ کر دیے گئے۔ ان سخت شرائط نے جرمنی میں سیاسی بے چینی اور معاشی بحران کو جنم دیا، جو بعد میں دوسری جنگ عظیم کے اسباب میں شامل ہوا۔⁹

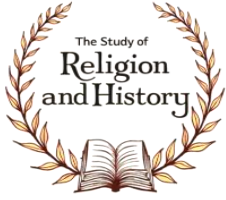
5- محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج1، ص289

6- ول ڈیورانت، تہذیب کی داستان، مترجم: محمد حسن، نفیس اکیڈمی، کراچی، 2006ء، ج11، ص514

7- نور الدین حاتم، تاریخ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء، ج1، ص437

8- ایچ۔ اے۔ ایل۔ فشر، تاریخ یورپ، مترجم: محمد اجمل، مکتبہ جدید، لاہور، 2008ء، ج2، ص154

9- عبدالعزیز سالم، تاریخ اور نگ عالم، دارالکتب العربیہ، قاہرہ، 2005ء، ج2، ص176



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

معاشی اعتبار سے جنگ نے دنیا کے بیشتر ممالک کو شدید نقصان پہنچایا۔ یورپ کے صنعتی مراکز تباہ ہو گئے، زرعی پیداوار متاثر ہوئی اور قومی خزانے جنگی اخراجات کے باعث کمزور ہو گئے۔ برطانیہ اور فرانس جیسے ممالک قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے جبکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ ایک بڑی معاشی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ جنگ کے بعد عالمی معیشت میں امریکہ کا کردار مسلسل بڑھتا گیا اور وہ بین الاقوامی سیاست میں بھی اہم مقام حاصل کرنے لگا۔

سماجی سطح پر بھی جنگ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ لاکھوں خاندان اپنے کفیلیوں سے محروم ہو گئے اور معاشروں میں نفسیاتی مسائل، غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔ خواتین نے جنگ کے دوران مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیں جس کے نتیجے میں ان کے سماجی اور سیاسی حقوق کے حوالے سے نئی تحریکوں نے جنم لیا۔ کئی ممالک میں خواتین کو ووٹ کا حق بھی اسی دور کے بعد ملا۔¹⁰

جنگ کے خاتمے کے بعد عالمی امن کے قیام کے لیے اقوام متحدہ کی پیش رو تنظیم "لیگ آف نیشنز" قائم کی گئی۔ اس تنظیم کا مقصد بین الاقوامی تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا اور مستقبل میں جنگوں کی روک تھام تھا۔ اگرچہ یہ ادارہ اپنے مقاصد میں مکمل کامیاب نہ ہو سکا، تاہم اس نے عالمی تعاون کے تصور کو فروغ دیا اور بعد میں اقوام متحدہ کے قیام کی بنیاد فراہم کی۔

اسلامی دنیا پر جنگِ عظیم اول کے اثرات خاص طور پر گہرے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ کی شکست کے نتیجے میں عالم اسلام کی آخری بڑی سیاسی وحدت کمزور ہو گئی اور اس کے زیر انتظام علاقوں کو استعماری طاقتوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ برطانیہ اور فرانس نے مشرق وسطیٰ کے متعدد علاقوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا اور نئی سرحدیں متعین کیں۔ اس عمل نے اسلامی دنیا میں سیاسی انتشار، قومی تحریکوں اور آزادی کی جدوجہد کو جنم دیا۔¹¹

جنگ کے اختتام نے عالمی طاقت کے مرکز کو بھی تبدیل کر دیا۔ یورپ کی روایتی برتری کمزور پڑ گئی جبکہ امریکہ اور جاپان جیسی نئی طاقتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ اسی طرح کمیونزم کے فروغ اور روسی انقلاب کے اثرات نے بین الاقوامی سیاست میں نئے نظریاتی تصادم کو جنم دیا۔ ان تبدیلیوں نے بیسویں صدی کی عالمی سیاست کی بنیاد رکھی اور آنے والے عشروں کے سیاسی واقعات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

جنگِ عظیم اول کے خاتمے نے دنیا کے سیاسی، معاشی اور سماجی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کر دیا۔ سلطنتوں کا خاتمہ، نئی ریاستوں کا قیام، عالمی طاقتوں کے توازن میں تبدیلی اور اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم اس جنگ کے ایسے نتائج تھے جن کے اثرات آج بھی عالمی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

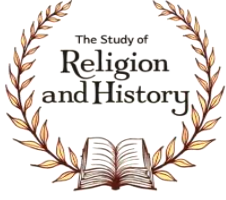
3- سلطنتِ عثمانیہ کا کردار اور جنگ میں شمولیت

سلطنتِ عثمانیہ بیسویں صدی کے آغاز تک عالم اسلام کی سب سے بڑی سیاسی اور عسکری قوت سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ اس سلطنت کی بنیاد تیرہویں صدی کے اواخر میں رکھی گئی تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ تین براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ تک پھیل گئی۔ خلافتِ عثمانیہ مسلمانوں کی سیاسی وحدت کی علامت تھی اور اس کے زیر اقتدار وسیع اسلامی علاقے شامل تھے۔ تاہم انیسویں صدی کے اختتام تک سلطنت کو اندرونی کمزوریوں، معاشی مشکلات، انتظامی بدعنوانیوں اور یورپی طاقتوں کی مسلسل مداخلت کا سامنا تھا، جس کے باعث اسے "یورپ کا مرد بیمار" کہا جانے لگا۔¹²

10 - محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج 1، ص 312

11 - محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانیہ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء، ج 2، ص 361

12 - محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانیہ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء، ج 2، ص 361



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

جنگِ عظیم اول کے آغاز کے وقت سلطنتِ عثمانیہ ایک نازک سیاسی صورت حال سے دوچار تھی۔ بلقان کی جنگوں (1912ء-1913ء) میں شکست کے نتیجے میں سلطنت اپنے کئی یورپی علاقے کھو چکی تھی اور اس کی عسکری طاقت بھی متاثر ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں عثمانی قیادت اپنی کھوئی ہوئی حیثیت بحال کرنے اور یورپی طاقتوں کے مقابلے میں ایک مضبوط اتحادی تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔¹³

عثمانی حکومت کی قیادت اس وقت اتحاد و ترقی (Committee of Union and Progress) کے رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی، جن میں انور پاشا، طلعت پاشا اور جمال پاشا نمایاں تھے۔ ان رہنماؤں کا خیال تھا کہ جرمنی کے ساتھ اتحاد سلطنتِ عثمانیہ کے مفادات کے لیے زیادہ موزوں ہے، کیونکہ جرمنی مشرق وسطیٰ میں برطانیہ اور فرانس کی طرح استعماری عزائم نہیں رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اگست 1914ء میں سلطنتِ عثمانیہ نے جرمنی کے ساتھ ایک خفیہ دفاعی معاہدہ کیا۔

ابتدائی طور پر عثمانی حکومت نے جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی کوشش کی، لیکن جرمن بحری جہازوں "گوبن" اور "بریلداؤ" کو عثمانی پناہ ملنے اور بعد ازاں روسی بندرگاہوں پر حملوں کے نتیجے میں حالات تبدیل ہو گئے۔ روس نے نومبر 1914ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، جس کے بعد برطانیہ اور فرانس بھی عثمانیوں کے خلاف میدان میں آ گئے۔ اس طرح سلطنتِ عثمانیہ باضابطہ طور پر جرمنی اور آسٹریا-ہنگری کے ساتھ مرکزی طاقتوں (Central Powers) میں شامل ہو گئی۔¹⁴

جنگ میں شمولیت کے بعد سلطنتِ عثمانیہ نے متعدد اہم محاذوں پر لڑائی لڑی۔ ان میں قفقاز کا محاذ، عراق کا محاذ، فلسطین و شام کا محاذ، حجاز کا محاذ اور درہ دانیال (Gallipoli) کا محاذ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گلی پولی کی جنگ میں عثمانی افواج نے برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مشترکہ افواج کو شکست دے کر ایک بڑی کامیابی حاصل کی، جس نے عثمانی فوج کے حوصلے بلند کیے اور مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت کو شہرت بخشی۔

سلطنتِ عثمانیہ نے جنگ کے دوران مذہبی عنصر کو بھی استعمال کیا۔ سلطان محمد خامس، جو خلیفۃ المسلمین بھی تھے، نے اتحادی طاقتوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے عثمانی خلافت کی حمایت کی اپیل کی۔ اگرچہ اس اعلان کے محدود اثرات مرتب ہوئے، تاہم اس نے جنگ کو ایک حد تک مذہبی رنگ بھی دیا اور عالم اسلام میں عثمانی خلافت کے ساتھ ہمدردی پیدا کی۔¹⁵

جنگ کے دوران سلطنتِ عثمانیہ کو شدید عسکری اور معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مختلف محاذوں پر مسلسل لڑائی، خوراک کی قلت، مالی بحران اور عرب علاقوں میں بغاوتوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ خصوصاً 1916ء میں شریف حسین کی قیادت میں عرب بغاوت نے عثمانی اقتدار کے لیے بڑے خطرات پیدا کیے، جسے برطانیہ کی حمایت بھی حاصل تھی۔

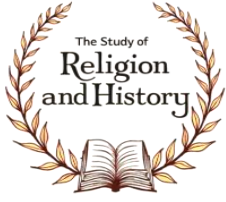
1918ء میں جب جرمنی اور اس کے اتحادی شکست کے قریب پہنچ گئے تو سلطنتِ عثمانیہ بھی جنگ جاری رکھنے کے قابل نہ رہی۔ اکتوبر 1918ء میں معاہدہ مدروس (Armistice of Mudros) پر دستخط کیے گئے، جس کے تحت عثمانیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس معاہدے کے بعد اتحادی افواج نے سلطنت کے مختلف علاقوں پر قبضہ شروع کر دیا اور یوں سلطنتِ عثمانیہ کے سیاسی زوال کا آغاز ہو گیا۔¹⁶

13 - برنارڈ ڈیوس، The Emergence of Modern Turkey، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2002ء، ج 1، ص 215

14 - نور الدین حاتم، تاریخ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء، ج 1، ص 428

15 - محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج 1، ص 301

16 - محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانیہ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء، ج 2، ص 352



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

سلطنتِ عثمانیہ نے اپنی سیاسی بقا، کھوئی ہوئی طاقت کی بحالی اور جرمنی کے ساتھ مفادات کے اشتراک کی بنیاد پر جنگِ عظیم اول میں شمولیت اختیار کی۔ اگرچہ بعض محاذوں پر عثمانیوں نے قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں، لیکن مجموعی طور پر جنگ میں شکست نے سلطنت کے خاتمے، خلافتِ عثمانیہ کے زوال اور اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم کی راہ ہموار کی، جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جاتے ہیں۔

4۔ سلطنتِ عثمانیہ کی شکست اور اس کے نتائج

جنگِ عظیم اول میں سلطنتِ عثمانیہ کی شمولیت کا بنیادی مقصد اپنی سیاسی خود مختاری کا تحفظ، کھوئے ہوئے علاقوں کی بازیابی اور عالمی سطح پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھنا تھا، لیکن جنگ کے اختتام پر اسے سنگین عسکری، سیاسی اور جغرافیائی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ عثمانی افواج نے بعض محاذوں پر قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں، تاہم مجموعی طور پر مرکزی طاقتوں کی شکست نے سلطنتِ عثمانیہ کے وجود کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا۔ 1918ء میں جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی سلطنت کے زوال کا عمل تیز ہو گیا اور بالآخر یہ ایک عظیم سلطنت کے خاتمے پر منتج ہوا۔

جنگ کے آخری مراحل میں سلطنتِ عثمانیہ کی فوجی قوت بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ مختلف محاذوں پر مسلسل لڑائی، اسلحہ اور وسائل کی کمی، معاشی بد حالی اور عوامی بے چینی نے ریاستی ڈھانچے کو کمزور کر دیا تھا۔ فلسطین، شام اور عراق کے محاذوں پر اتحادی افواج کی پیش قدمی نے عثمانی دفاع کو شدید نقصان پہنچایا۔ عرب علاقوں میں بغاوتوں اور مقامی مزاحمت نے بھی سلطنت کی مشکلات میں اضافہ کیا۔

30 اکتوبر 1918ء کو سلطنتِ عثمانیہ نے اتحادی طاقتوں کے ساتھ معاہدہٴ مدروس (Armistice of Mudros) پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کے تحت عثمانیوں نے جنگ بندی قبول کی اور اتحادی طاقتوں کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ سلطنت کے اہم عسکری اور اسٹریٹجک مقامات پر قبضہ کر سکیں۔ اس معاہدے نے عملی طور پر سلطنتِ عثمانیہ کی خود مختاری کو محدود کر دیا اور اتحادی طاقتوں کے لیے اس کے علاقوں میں مداخلت کی راہ ہموار کر دی۔¹⁷

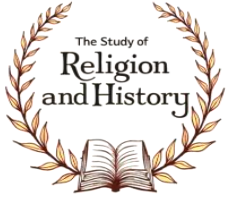
معاہدہٴ مدروس کے بعد برطانیہ، فرانس، اٹلی اور یونان نے سلطنتِ عثمانیہ کے مختلف حصوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ استنبول، از میر اور دیگر اہم علاقوں میں غیر ملکی افواج کی موجودگی نے عثمانی حکومت کی سیاسی حیثیت کو مزید کمزور کر دیا۔ دوسری طرف اتحادی طاقتیں پہلے ہی سلطنتِ عثمانیہ کے علاقوں کی تقسیم کے منصوبے تیار کر چکی تھیں، جن کا مقصد مشرق وسطیٰ میں اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کا تحفظ تھا۔

سلطنتِ عثمانیہ کی شکست کا سب سے اہم نتیجہ اس کے وسیع علاقوں کا خاتمہ تھا۔ عرب دنیا کے بیشتر علاقے عثمانی اقتدار سے نکل گئے اور انہیں برطانیہ اور فرانس کے زیر انتظام مینڈیٹ علاقوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ عراق، فلسطین اور اردن برطانوی اثر و رسوخ میں چلے گئے جبکہ شام اور لبنان فرانس کے زیر انتظام آ گئے۔ اس تقسیم نے اسلامی دنیا کے سیاسی نقشے کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔¹⁸

جنگ کے بعد فاتح طاقتوں نے 1920ء میں معاہدہٴ سیورے (Treaty of Sèvres) نافذ کیا، جس میں سلطنتِ عثمانیہ کے مزید حصوں کو تقسیم کرنے کی تجاویز شامل تھیں۔ اس معاہدے کے تحت اناطولیہ کے بعض علاقوں پر یونانی اور آرمینی عسکریوں کو تسلیم کیا گیا جبکہ آبنائے باسفورس اور درہٴ دانیال کو بین الاقوامی کنٹرول میں دینے کی تجویز پیش کی گئی۔ عثمانی عوام نے اس معاہدے کو اپنی قومی خود مختاری کے خلاف قرار دیا اور اس کی شدید مخالفت کی۔

17۔ نور الدین حاتم، تاریخ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء، ج 1، ص 446

18۔ (محمد سہیل عمر، جدید یورپ کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ج 1، ص 289)



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

سلطنتِ عثمانیہ کی شکست کے نتیجے میں عالمِ اسلام کو ایک بڑا سیاسی دھچکا پہنچا۔ خلافتِ عثمانیہ صدیوں سے مسلمانوں کی وحدت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ مختلف مسلم ممالک اپنی داخلی خود مختاری رکھتے تھے، لیکن خلافت ایک مشترکہ مذہبی اور سیاسی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ عثمانی اقتدار کے زوال نے مسلم دنیا میں قیادت کے بحران کو جنم دیا اور مختلف علاقوں میں قوم پرستانہ تحریکوں کو فروغ ملا۔¹⁹

اس شکست کے ردِ عمل میں ترکی کے اندر قومی مزاحمت کی تحریک شروع ہوئی جس کی قیادت مصطفیٰ کمال پاشا نے کی۔ ترک عوام نے غیر ملکی قبضے اور معاہدہ سبوروے کے خلاف جدوجہد کی، جس کے نتیجے میں ترک جنگِ آزادی کامیاب ہوئی اور بعد ازاں 1923ء میں جدید جمہوریہ ترکی کا قیام عمل میں آیا۔ اسی عمل نے سلطنتِ عثمانیہ کے باضابطہ خاتمے کی راہ ہموار کی۔

سلطنتِ عثمانیہ کی شکست صرف ایک ریاست کی عسکری ناکامی نہیں تھی بلکہ اس نے پورے عالمِ اسلام کی سیاسی، جغرافیائی اور فکری ساخت کو متاثر کیا۔ اس شکست کے نتیجے میں سلطنت کا خاتمہ، عرب علاقوں کی تقسیم، استعماری تسلط کا فروغ اور خلافتِ عثمانیہ کا زوال جیسے اہم واقعات رونما ہوئے، جن کے اثرات آج بھی اسلامی دنیا کی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

5- معاہدہ سبوروے (Treaty of Sèvres) اور اسلامی دنیا

جنگِ عظیم اول کے خاتمے کے بعد اتحادی طاقتوں نے شکست خوردہ ریاستوں کے ساتھ مختلف معاہدے کیے تاکہ جنگ کے بعد کے سیاسی نظام کو ترتیب دیا جاسکے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ کیا جانے والا سب سے اہم معاہدہ معاہدہ سبوروے (Treaty of Sèvres) تھا، جس پر 10 اگست 1920ء کو فرانس کے شہر سبوروے میں دستخط کیے گئے۔ یہ معاہدہ سلطنتِ عثمانیہ کی سیاسی اور جغرافیائی حیثیت کو محدود کرنے اور اس کے وسیع علاقوں کو اتحادی طاقتوں کے مفادات کے مطابق تقسیم کرنے کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کو عثمانی تاریخ کے سب سے سخت اور متنازع معاہدات میں شمار کیا جاتا ہے۔

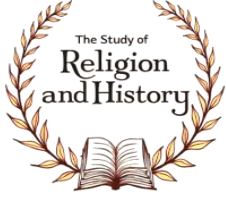
معاہدہ سبوروے کی بنیادی روح یہ تھی کہ سلطنتِ عثمانیہ کو ایک کمزور اور محدود ریاست میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ مستقبل میں یورپی طاقتوں کے لیے کسی قسم کا سیاسی یا عسکری خطرہ نہ بن سکے۔ اس معاہدے کے تحت سلطنت کے عرب علاقوں کو مکمل طور پر عثمانی اقتدار سے الگ کر دیا گیا اور انہیں برطانیہ اور فرانس کے زیر اثر مینڈیٹ علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ عراق، فلسطین اور اردن برطانیہ کے زیر انتظام آئے جبکہ شام اور لبنان فرانس کے قبضے میں چلے گئے۔²⁰

اس معاہدے کے تحت اناطولیہ کے بعض حصوں کو بھی سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں۔ مشرقی اناطولیہ میں ایک آزاد آرمینی ریاست کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا جبکہ جنوب مشرقی علاقوں میں کردوں کے لیے خود مختاری کی تجاویز شامل تھیں۔ اسی طرح ازمیر اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کو یونانی انتظام کے تحت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان اقدامات کا مقصد عثمانی سلطنت کے مرکزی علاقوں کو بھی تقسیم کرنا تھا تاکہ ترک ریاست کی سیاسی طاقت محدود ہو جائے۔

معاہدہ سبوروے کی ایک اہم شق آبنائے باسفورس اور درہ دانیال کے بارے میں تھی۔ ان اہم آبی گزر گاہوں کو بین الاقوامی کنٹرول کے تحت لانے کی تجویز دی گئی تاکہ ترکی کو ان پر مکمل اختیار حاصل نہ رہے۔ چونکہ یہ راستے یورپ اور ایشیا کے درمیان تجارتی اور عسکری لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، اس لیے اتحادی طاقتیں ان پر اپنا اثر و رسوخ قائم رکھنا چاہتی تھیں۔

19. (محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج 1، ص 327)

20. (محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج 1، ص 327)



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

معاهدہ سیورے نے سلطنت عثمانیہ کی عسکری طاقت کو بھی شدید حد تک محدود کر دیا۔ عثمانی فوج کی تعداد کم کر دی گئی، بحریہ کو محدود کر دیا گیا اور جدید اسلحہ رکھنے پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ اس کے علاوہ سلطنت کے مالیاتی امور پر بھی اتحادی طاقتوں کی نگرانی تجویز کی گئی، جس سے عثمانی ریاست کی سیاسی خود مختاری تقریباً ختم ہو جاتی۔²¹ اسلامی دنیا میں اس معاہدے کو شدید تشویش اور ناراضی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مسلمان عوام اور مذہبی قیادت کا خیال تھا کہ فاتح طاقتیں نہ صرف ایک مسلم سلطنت کو ختم کر رہی ہیں بلکہ عالم اسلام کی سیاسی وحدت کو بھی پارہ پارہ کر رہی ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں نے بھی اس معاہدے کے خلاف شدید رد عمل ظاہر کیا اور خلافت تحریک کو مزید تقویت ملی۔ مسلمان رہنماؤں نے خلافت عثمانیہ کے تحفظ اور عثمانی علاقوں کی تقسیم کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔

ترکی کے اندر بھی معاہدہ سیورے کو قبول نہیں کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھیوں نے اس معاہدے کو ترک قوم کی آزادی اور خود مختاری کے خلاف قرار دیا اور اس کے خلاف قومی مزاحمت کا آغاز کیا۔ ترک جنگ آزادی (1919ء-1922ء) کے دوران ترک عوام نے اتحادی افواج کے خلاف کامیاب جدوجہد کی جس کے نتیجے میں معاہدہ سیورے عملی طور پر ناکام ہو گیا۔

ترک مزاحمت کی کامیابی کے بعد 1923ء میں معاہدہ لوزان (Treaty of Lausanne) طے پایا جس نے معاہدہ سیورے کی بیشتر شقوق کو منسوخ کر دیا اور جدید ترکی کی بین الاقوامی حیثیت کو تسلیم کیا۔ تاہم عرب علاقوں کی تقسیم اور مشرق وسطیٰ میں قائم کی جانے والی نئی سرحدیں برقرار رہیں، جن کے اثرات آج تک اسلامی دنیا کی سیاست میں موجود ہیں۔²²

خلاصہ یہ ہے کہ معاہدہ سیورے سلطنت عثمانیہ کو سیاسی، عسکری اور جغرافیائی طور پر محدود کرنے کی ایک جامع کوشش تھی۔ اگرچہ ترک قوم کی مزاحمت نے اس معاہدے کے بعض حصوں کو ناکام بنا دیا، لیکن اس کے نتیجے میں اسلامی دنیا کی جغرافیائی تقسیم، عرب علاقوں پر استعماری تسلط اور مسلم سیاسی وحدت کی کمزوری جیسے اثرات رونما ہوئے، جن کی بازگشت آج بھی معاصر اسلامی دنیا میں سنائی دیتی ہے۔

6- سائیکس پیکو معاہدہ اور مشرق وسطیٰ کی تقسیم

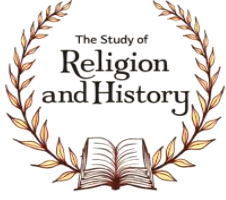
جنگ عظیم اول کے دوران برطانیہ اور فرانس نے سلطنت عثمانیہ کے عرب علاقوں کی مستقبل کی تقسیم کے لیے ایک خفیہ معاہدہ طے کیا جو تاریخ میں "سائیکس پیکو معاہدہ" (Sykes-Picot Agreement) کے نام سے معروف ہے۔ یہ معاہدہ 1916ء میں برطانیہ کے سفارت کار مارک سائیکس (Mark Sykes) اور فرانس کے سفارت کار فرانسوا جارج پیکو (François Georges-Picot) کے درمیان طے پایا۔ اس معاہدے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جنگ میں سلطنت عثمانیہ کی متوقع شکست کے بعد اس کے عرب علاقوں کو برطانیہ اور فرانس کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تاکہ دونوں طاقتیں مشرق وسطیٰ میں اپنے سیاسی، عسکری اور معاشی مفادات کا تحفظ کر سکیں۔

سائیکس پیکو معاہدہ خفیہ نوعیت کا تھا اور اس کی تفصیلات عرب قیادت اور عام عوام سے پوشیدہ رکھی گئیں۔ اس وقت برطانیہ عرب رہنماؤں، خصوصاً شریف حسین بن علی، کو یہ یقین دہانی کرا رہا تھا کہ اگر وہ عثمانیوں کے خلاف بغاوت کریں تو جنگ کے بعد انہیں ایک آزاد عرب ریاست دی جائے گی۔ لیکن دوسری جانب برطانیہ اور فرانس خفیہ طور پر انہی علاقوں کی تقسیم کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اس دوہری پالیسی نے بعد میں عرب دنیا میں مغربی طاقتوں کے خلاف شدید بد اعتمادی کو جنم دیا۔²³

21 - ول ڈیورانت، تہذیب کی داستان، مترجم: محمد حسن، نیٹس اکیڈمی، کراچی، 2006ء، ج 11، ص 552

22 - ول ڈیورانت، تہذیب کی داستان، مترجم: محمد حسن، نیٹس اکیڈمی، کراچی، 2006ء، ج 11، ص 552

23 - عبدالعزیز سالم، تاریخ اور نگ عالم، دارالکتب العربیہ، قاہرہ، 2005ء، ج 2، ص 188



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

اس معاہدے کے مطابق شام اور لبنان کے بیشتر علاقے فرانس کے زیر اثر آنے تھے، جبکہ عراق کے جنوبی علاقے اور خلیج فارس کے قریب واقع خطے برطانیہ کے حصے میں آنے تھے۔ فلسطین کو ایک بین الاقوامی انتظامیہ کے تحت رکھنے کی تجویز دی گئی تھی، کیونکہ اس علاقے کو مذہبی اور سیاسی لحاظ سے غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ بعد ازاں فلسطین کے بارے میں مختلف سیاسی فیصلے کیے گئے جنہوں نے مشرق وسطیٰ کی سیاست کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔²⁴

1917ء میں روسی انقلاب کے بعد بالشویک حکومت نے روسی وزارت خارجہ کے خفیہ دستاویزات شائع کیے جن میں سائیکس پیکو معاہدہ بھی شامل تھا۔ جب اس معاہدے کی تفصیلات منظر عام پر آئیں تو عرب دنیا میں شدید رد عمل پیدا ہوا، کیونکہ عرب رہنماؤں کو احساس ہوا کہ آزادی کے جو وعدے ان سے کیے گئے تھے وہ حقیقت میں استعماری مفادات کے تابع تھے۔ اس انکشاف نے عرب قوم پرستی اور مغربی طاقتوں کے خلاف سیاسی مزاحمت کو مزید تقویت دی۔

سائیکس پیکو معاہدے کے اثرات صرف جنگ عظیم اول کے بعد کے دور تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے پورے مشرق وسطیٰ کے سیاسی نقشے کو تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد برطانیہ اور فرانس نے اسی معاہدے کی بنیاد پر مختلف علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کیا اور نئی سرحدیں متعین کیں۔ یہ سرحدیں اکثر تاریخی، نسلی، ثقافتی اور مذہبی حقائق کو نظر انداز کر کے کھینچی گئیں، جس کے نتیجے میں کئی داخلی اور علاقائی تنازعات نے جنم لیا۔

اس معاہدے کے نتیجے میں عراق، شام، لبنان، اردن اور فلسطین جیسے خطوں کی جدید سیاسی تشکیل عمل میں آئی۔ تاہم ان ریاستوں کی سرحدوں کے تعین میں مقامی آبادی کی خواہشات اور تاریخی وابستگیوں کو کم اہمیت دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں ان ممالک کو نسلی، مذہبی اور سیاسی اختلافات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے محققین کے نزدیک مشرق وسطیٰ کے موجودہ بحرانوں کی جڑیں اسی استعماری تقسیم میں پوشیدہ ہیں۔²⁴

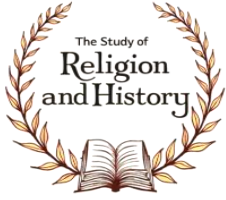
اسلامی دنیا کے تناظر میں سائیکس پیکو معاہدہ ایک ایسے منصوبے کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس نے مسلم سیاسی وحدت کو مزید کمزور کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام پہلے ہی سیاسی انتشار کا شکار تھا، اور اس معاہدے نے عرب دنیا کو چھوٹی چھوٹی سیاسی اکائیوں میں تقسیم کر کے مشترکہ اسلامی مفادات کے تصور کو نقصان پہنچایا۔ اس تقسیم نے مختلف مسلم ریاستوں کے درمیان سرحدی تنازعات اور سیاسی اختلافات کو بھی جنم دیا۔²⁵

فلسطین کا مسئلہ بھی بالواسطہ طور پر سائیکس پیکو معاہدے کے نتائج میں شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ فلسطین کو بین الاقوامی حیثیت دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی، بعد میں برطانیہ نے وہاں اپنی پالیسیوں کے ذریعے ایسے حالات پیدا کیے جنہوں نے عرب اسرائیل تنازع کی بنیاد رکھی۔ یہ تنازع آج بھی مشرق وسطیٰ اور اسلامی دنیا کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ سائیکس پیکو معاہدہ جنگ عظیم اول کے دوران طے پانے والا ایک خفیہ استعماری منصوبہ تھا جس کا مقصد سلطنت عثمانیہ کے عرب علاقوں کی تقسیم تھا۔ اس معاہدے نے مشرق وسطیٰ کی جدید سیاسی سرحدوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، لیکن ساتھ ہی کئی سیاسی، نسلی اور مذہبی تنازعات کی بنیاد بھی رکھی۔ آج بھی اسلامی دنیا کے متعدد مسائل اور مشرق وسطیٰ کی پیچیدہ سیاسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے سائیکس پیکو معاہدے کا مطالعہ ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

8۔ نئی مسلم ریاستوں کا ظہور اور جغرافیائی تبدیلیاں

24۔ البرٹ حورانی، تاریخ الشعوب العربیة، دارالاسانی، بیروت، 2007ء، ج 1، ص 352

25۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ قومیت، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ج 1، ص 97



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

جنگِ عظیم اول کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے اور مشرق وسطیٰ میں برطانوی و فرانسیسی مینڈیٹ کے قیام کے نتیجے میں اسلامی دنیا کے سیاسی نقشے میں ایک بنیادی اور دور رس تبدیلی واقع ہوئی۔ صدیوں سے ایک بڑی سیاسی وحدت کے تحت منظم مسلم علاقے اب مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہونے لگے۔ اس تقسیم کے نتیجے میں جدید قومی ریاستوں (Nation States) کا تصور مسلم دنیا میں تیزی سے فروغ پایا، جس نے روایتی خلافتی اور وحدت پر مبنی سیاسی نظام کو تبدیل کر دیا۔²⁶ اس دور میں عراق، شام، لبنان، اردن اور فلسطین جیسے خطوں کی نئی سیاسی حیثیت متعین کی گئی۔ عراق کو 1932ء میں برطانیہ کے مینڈیٹ سے جزوی آزادی حاصل ہوئی اور بعد ازاں یہ ایک خود مختار ریاست کے طور پر سامنے آیا۔ شام اور لبنان فرانس کے زیر اثر رہنے کے بعد بتدریج آزاد ہوئے، جبکہ اردن برطانوی انتظام کے تحت ایک الگ امارت کے طور پر وجود میں آیا۔ یہ تمام ریاستیں ابتدائی طور پر استعماری طاقتوں کی نگرانی میں قائم کی گئیں اور ان کی سیاسی ساخت بیرونی اثرات سے گہرا تعلق رکھتی تھی۔

جزیرہ نما عرب میں بھی اہم سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عرب بغاوت اور عثمانی اقتدار کے زوال کے بعد حجاز، نجد اور دیگر علاقوں میں مختلف قبائلی اور سیاسی تحریکیں ابھریں۔ بالآخر ابن سعود کی قیادت میں 1932ء میں مملکتِ سعودی عرب کا قیام عمل میں آیا، جس نے جزیرہ نما عرب کے بڑے حصے کو ایک مرکزی ریاست کے تحت متحد کیا۔ اس ریاست کا قیام خطے میں سیاسی استحکام کی ایک نئی شکل تھا، اگرچہ اس کی بنیادیں مقامی قبائلی نظام اور مذہبی اصلاحی تحریکوں سے جڑی ہوئی تھیں۔²⁷ شمالی افریقہ میں بھی استعماری طاقتوں کا اثر نمایاں رہا۔ مصر اگرچہ 1922ء میں برطانیہ سے برائے نام آزادی حاصل کر چکا تھا، لیکن عملی طور پر اس پر برطانوی اثر و رسوخ برقرار رہا۔ اسی طرح لیبیا، الجزائر اور مراکش مختلف یورپی طاقتوں کے زیر اثر رہے۔ ان علاقوں کی آزادی کی تحریکیں بعد کے ادوار میں زیادہ منظم ہوئیں اور بیسویں صدی کے وسط تک یہ ریاستیں بتدریج خود مختاری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

نئی مسلم ریاستوں کے قیام کے ساتھ ہی جغرافیائی سرحدوں کی نئی تقسیم عمل میں آئی۔ یہ سرحدیں زیادہ تر استعماری مفادات اور معاہدات، خصوصاً سانگنیکو معاہدے کی بنیاد پر طے کی گئیں، جس میں مقامی تاریخی، لسانی اور قبائلی حقائق کو مکمل طور پر مد نظر نہیں رکھا گیا۔ اس کے نتیجے میں کئی ریاستوں کے اندر متنوع نسلی اور مذہبی گروہ ایک ہی سیاسی نظام کے تحت آ گئے، جس نے بعد میں داخلی تنازعات کو جنم دیا۔

اسلامی دنیا میں قومی ریاستوں کے قیام نے سیاسی وحدت کے تصور کو کمزور کر دیا۔ خلافت کے خاتمے کے بعد مسلم معاشرے ایک مشترکہ سیاسی قیادت سے محروم ہو گئے اور ہر ریاست نے اپنی الگ قومی شناخت اور سیاسی مفادات کو ترجیح دینا شروع کر دیا۔ اس تبدیلی نے مسلم دنیا میں علاقائی قوم پرستی (Regional Nationalism) کو فروغ دیا، جس کے اثرات آج بھی بین الاقوامی تعلقات اور مسلم ممالک کی خارجہ پالیسیوں میں واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔²⁸

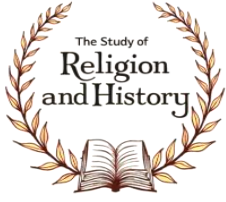
نئی ریاستوں کے قیام نے اگرچہ بعض علاقوں میں انتظامی ڈھانچے اور جدید اداروں کی تشکیل کو ممکن بنایا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاسی عدم استحکام، سرحدی تنازعات اور داخلی اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ مختلف ممالک میں فوجی بغاوتیں، آئینی بحران اور علاقائی کشیدگیاں اسی تقسیم کا نتیجہ سمجھی جاتی ہیں۔ فلسطین، کشمیر اور دیگر تنازعہ علاقوں کے مسائل بھی اسی جغرافیائی تقسیم کے تسلسل کا حصہ ہیں۔

جنگِ عظیم اول کے بعد اسلامی دنیا میں نئی ریاستوں کا ظہور ایک تاریخی حقیقت ہے جس نے پورے خطے کی سیاسی ساخت کو بدل دیا۔ اگرچہ ان ریاستوں نے وقت کے ساتھ اپنی خود مختاری اور قومی شناخت کو مضبوط کیا، لیکن ان کی ابتدائی تشکیل استعماری مفادات اور بیرونی منصوبہ بندی کے تحت ہوئی، جس کے اثرات آج بھی مسلم دنیا کے سیاسی، سماجی اور جغرافیائی حالات میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاتے ہیں۔

26۔ محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء، ج2، ص381

27۔ عبدالعزیز سالم، تاریخ اور نگہ عالم، دارالکتب العربیہ، قاہرہ، 2005ء، ج2، ص212

28۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ قومیت، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ج1، ص111



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

9- اسلامی دنیا میں سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرات

جنگِ عظیم اول کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے اور مشرق وسطیٰ کی نئی جغرافیائی تقسیم نے اسلامی دنیا کو سیاسی، سماجی اور مذہبی ہر سطح پر گہرے اثرات سے دوچار کیا۔ صدیوں پر محیط خلافتی نظام کے زوال نے نہ صرف ایک سیاسی مرکز کو ختم کیا بلکہ مسلم دنیا کو ایک متحد سیاسی قیادت سے بھی محروم کر دیا، جس کے نتیجے میں مختلف خطوں میں الگ الگ قومی ریاستوں اور مقامی سیاسی نظاموں کا آغاز ہوا۔

سیاسی سطح پر سب سے بڑا اثر مسلم وحدت کا انتشار تھا۔ خلافتِ عثمانیہ جو ایک علامتی اور بعض اوقات عملی سیاسی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی، اس کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا مختلف خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان ریاستوں نے اپنے قومی مفادات کو ترجیح دینا شروع کیا، جس کے نتیجے میں مشترکہ اسلامی سیاسی ایجنڈا کمزور پڑ گیا۔ اس سیاسی تقسیم نے بعد کے ادوار میں علاقائی تنازعات اور سرحدی اختلافات کو جنم دیا۔²⁹

سماجی سطح پر بھی اس تقسیم کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ نوآبادیاتی دور میں مغربی طاقتوں نے جدید تعلیمی، انتظامی اور قانونی نظام متعارف کروائے، جنہوں نے روایتی اسلامی سماجی ڈھانچے کو متاثر کیا۔ شہری و دیہی زندگی میں تبدیلیاں آئیں، اور ایک نئی اشرافیہ (Elite Class) وجود میں آئی جو اکثر مغربی تعلیم اور ثقافت سے متاثر تھی۔ اس تبدیلی نے روایتی مذہبی اور سماجی اداروں کی حیثیت کو بھی متاثر کیا۔

مذہبی لحاظ سے سب سے اہم تبدیلی خلافت کے ادارے کا خاتمہ تھا۔ خلافت صدیوں تک مسلمانوں کے لیے ایک متحدہ مذہبی و سیاسی علامت رہی، اور اس کے خاتمے نے عالم اسلام میں قیادت کے بحران کو جنم دیا۔ مختلف اسلامی تحریکیں اس خلافت کے احیاء یا کم از کم مسلم اتحاد کی بحالی کے لیے سرگرم ہوئیں، لیکن عملی طور پر کوئی متفقہ عالمی قیادت وجود میں نہ آسکی۔

اس دور میں مغربی افکار اور نظریات جیسے قوم پرستی، سیکولرزم اور جمہوریت مسلم دنیا میں تیزی سے داخل ہوئے۔ ان نظریات نے روایتی مذہبی اور سیاسی تصورات کو چیلنج کیا اور نئی فکری بحثوں کو جنم دیا۔ بعض مسلم ممالک نے ان نظریات کو قبول کیا جبکہ بعض نے انہیں اپنی مذہبی شناخت کے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے مزاحمت کی۔ اس فکری کشمکش نے جدید اسلامی فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

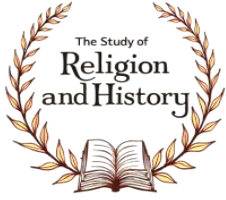
فلسطین کا مسئلہ بھی اسی دور کے اہم سیاسی و مذہبی اثرات میں شمار ہوتا ہے۔ برطانوی مینڈیٹ اور اعلانِ بالفور کے نتیجے میں یہودی آباد کاری میں اضافہ ہوا، جس کے نتیجے میں عرب اور یہودی آبادیوں کے درمیان کشیدگی بڑھتی گئی۔ یہ تنازع بعد میں ایک طویل المدتی بین الاقوامی مسئلہ بن گیا، جو آج بھی اسلامی دنیا کے لیے ایک مرکزی سیاسی اور مذہبی چیلنج ہے۔

مزید برآں، مسلم دنیا میں تعلیمی اور فکری بیداری کی نئی لہریں بھی اسی دور میں ابھریں۔ مختلف ممالک میں اصلاحی تحریکیں، مذہبی تجدیدی کوششیں اور آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں جن کا مقصد استعماری اثرات کا مقابلہ کرنا اور اسلامی شناخت کو دوبارہ مضبوط کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے بعد میں بیسویں صدی میں آزادی کی جدوجہد کو منظم شکل

دی۔³⁰

29۔ (البرٹ حورانی، تاریخ الشعوب العربية، دارالساتی، بیروت، 2007ء، ج 1، ص 381)

30۔ (نور الدین حاتم، تاریخ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء، ج 1، ص 470)



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

جنگِ عظیم اول کے بعد اسلامی دنیا میں سیاسی تقسیم، سماجی تبدیلی اور مذہبی فکری بحران جیسے اثرات نمایاں ہوئے۔ ان تبدیلیوں نے مسلم معاشروں کی ساخت کو بنیادی طور پر بدل دیا اور ایک ایسے نئے دور کا آغاز کیا جس میں مسلم دنیا کو اپنی شناخت، وحدت اور سیاسی مستقبل کے حوالے سے متعدد چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔

10- موجودہ اسلامی دنیا کے تنازعات اور جنگِ عظیم اول کی تقسیمات کا تنقیدی جائزہ

جنگِ عظیم اول کے بعد ہونے والی جغرافیائی تقسیم، خصوصاً سلطنتِ عثمانیہ کے زوال اور سائیکس پیکو معاہدے کے تحت مشرق وسطیٰ کی نئی سرحدوں کی تشکیل، نے اسلامی دنیا کے سیاسی نقشے کو مستقل طور پر تبدیل کر دیا۔ ان تاریخی فیصلوں نے ایسی ریاستی سرحدیں قائم کیں جو اکثر مقامی تاریخی، لسانی، قبائلی اور مذہبی حقائق سے ہم آہنگ نہ تھیں۔ نتیجتاً بیسویں اور اکیسویں صدی میں اسلامی دنیا میں متعدد ایسے تنازعات سامنے آئے جن کی جڑیں اسی ابتدائی تقسیم میں بیوست ہیں۔

موجودہ دور کے بڑے تنازعات میں فلسطین کا مسئلہ سب سے نمایاں ہے۔ برطانوی مینڈیٹ اور اعلانِ بالفور کی پالیسیوں کے نتیجے میں یہودی ریاست کے قیام نے عرب اور یہودی آبادی کے درمیان طویل المدتی کشیدگی کو جنم دیا۔ یہ تنازع نہ صرف علاقائی بلکہ عالمی سطح پر سیاسی اور مذہبی اہمیت اختیار کر چکا ہے اور آج بھی عالمی امن کے لیے ایک بڑا چیلنج سمجھا جاتا ہے۔³¹

اسی طرح عراق، شام اور لبنان کی ریاستی تشکیل بھی سائیکس پیکو معاہدے اور مینڈیٹ سسٹم کا براہِ راست نتیجہ تھی۔ ان ممالک میں نسلی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تنوع کو یکجا کر کے ایک ہی سیاسی نظام میں شامل کیا گیا، جس کے باعث داخلی سیاسی عدم استحکام، خانہ جنگیوں اور بیرونی مداخلت کے مواقع پیدا ہوئے۔ شام کی خانہ جنگی اور عراق کے مختلف داخلی بحران اسی تاریخی تقسیم کے تسلسل کے طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

مزید برآں، خلیجی خطے میں بھی سرحدی تنازعات اور علاقائی رقابتیں اسی دور کی سیاسی تشکیل کا نتیجہ ہیں۔ تیل کی دریافت کے بعد اس خطے کی جغرافیائی اہمیت مزید بڑھ گئی، جس نے عالمی طاقتوں کی دلچسپی کو دوبارہ اس خطے کی طرف متوجہ کیا۔ مختلف ریاستوں کے درمیان سرحدی اختلافات اور سیاسی کشیدگی نے خطے کو مسلسل غیر مستحکم رکھا۔

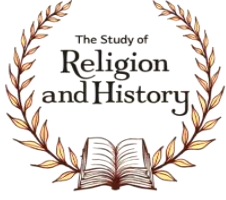
تنقیدی طور پر دیکھا جائے تو جنگِ عظیم اول کے بعد کی گئی تقسیمات ایک ایسی سیاسی حکمت عملی کا حصہ تھیں جس میں مقامی آبادیوں کی رائے، تاریخی حقائق اور ثقافتی ہم آہنگی کو نظر انداز کیا گیا۔ ان سرحدوں کا مقصد زیادہ تر استعماری طاقتوں کے اسٹریٹجک اور معاشی مفادات کا تحفظ تھا۔ اس کے نتیجے میں جو سیاسی ڈھانچہ وجود میں آیا وہ وقتی طور پر تو استحکام فراہم کرتا رہا، لیکن طویل مدت میں یہ مختلف تنازعات اور بحرانوں کا سبب بن گیا۔

اسلامی دنیا میں ان تقسیمات نے قومی ریاستوں کے تصور کو مضبوط کیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلم وحدت کے تصور کو بھی کمزور کر دیا۔ مختلف ریاستوں نے اپنے قومی مفادات کو ترجیح دی، جس کے نتیجے میں ایک مشترکہ اسلامی سیاسی پلیٹ فارم کا فقدان پیدا ہوا۔ یہ صورتحال آج بھی مسلم دنیا کی خارجہ پالیسیوں اور علاقائی تعاون میں نمایاں طور پر محسوس کی جاتی ہے۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان ریاستوں نے اپنی داخلی ساخت کو بہتر بنانے، اداروں کو مضبوط کرنے اور بین الاقوامی نظام کا حصہ بننے کی کوشش کی ہے۔ بعض ممالک نے معاشی ترقی اور سیاسی استحکام حاصل کیا، جبکہ بعض اب بھی داخلی تنازعات اور بیرونی مداخلت کا شکار ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگِ عظیم اول کی تقسیمات کے اثرات یکساں نہیں بلکہ مختلف خطوں میں مختلف انداز سے ظاہر ہوئے ہیں۔ (محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء، ج 1، ص 362)

موجودہ اسلامی دنیا کے بیشتر سیاسی تنازعات کی جڑیں جنگِ عظیم اول کے بعد ہونے والی جغرافیائی تقسیمات میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ وقت کے ساتھ حالات میں تبدیلی آئی ہے، لیکن ان تاریخی فیصلوں کے اثرات آج بھی مشرق وسطیٰ اور وسیع تر اسلامی دنیا کی سیاست، معیشت اور بین الاقوامی تعلقات میں واضح طور پر موجود ہیں۔ اس لیے ان تقسیمات کا تنقیدی مطالعہ معاصر عالمی سیاست کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

31. (محمد کرد علی، خطہ الشام، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 2001ء، ج 6، ص 255)



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.3 2025

ISSN P : [3006-3329](#)

ISSN E : [3006-3337](#)

خلاصہ بحث

جنگِ عظیم اول انسانی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوئی جس نے نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کے سیاسی اور جغرافیائی نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔ اس جنگ کے اختتام کے بعد عالمی طاقتوں کے توازن میں بڑی تبدیلی واقع ہوئی اور متعدد قدیم سلطنتیں، خصوصاً سلطنتِ عثمانیہ، اپنے انجام کو پہنچیں۔ عثمانی سلطنت کے زوال نے اسلامی دنیا کی سیاسی وحدت کو ختم کر دیا، جس کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ اور دیگر مسلم خطوں میں نئی ریاستوں اور سرحدوں کا قیام عمل میں آیا۔ سائیکس پیکو معاہدہ، معاہدہ سیورے اور مینڈیٹ سسٹم جیسے استعماری اقدامات نے اسلامی دنیا کو جغرافیائی طور پر تقسیم کر کے مختلف سیاسی اکائیوں میں بانٹ دیا۔ ان سرحدوں کی تشکیل میں مقامی تاریخی، ثقافتی اور مذہبی حقائق کو نظر انداز کیا گیا، جس کے باعث بعد کے ادوار میں متعدد داخلی و خارجی تنازعات پیدا ہوئے۔ فلسطین کا مسئلہ، عراق و شام کی سیاسی بے چینی اور دیگر علاقائی بحران اسی تاریخی تقسیم کے تسلسل کا حصہ ہیں۔ اس جنگ کے بعد مسلم دنیا میں سیاسی وحدت کے بجائے قومی ریاستوں کا تصور مضبوط ہوا، جس نے ایک طرف جدید ریاستی نظام کو فروغ دیا لیکن دوسری طرف امتِ مسلمہ کی مجموعی سیاسی قوت کو کمزور کر دیا۔ نتیجتاً مسلم دنیا مختلف نظریاتی، سیاسی اور علاقائی مسائل کا شکار ہو گئی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جنگِ عظیم اول کے بعد ہونے والی جغرافیائی تقسیم محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک ایسا تسلسل ہے جس کے اثرات آج بھی اسلامی دنیا کی سیاست، معیشت اور بین الاقوامی تعلقات میں واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

مصادر و مراجع

1. نور الدین حاتم، تاریخِ عالم، مکتبہ کاروان، لاہور، 2012ء۔
2. عبدالعزیز سالم، تاریخ اور نگِ عالم، دارالکتب العربیہ، قاہرہ، 2005ء۔
3. محمد سہیل عمر، جدید یورپ کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء۔
4. ایچ۔ اے۔ ایل۔ فشر، یورپ کی تاریخ، مکتبہ جدید، لاہور، 2008ء۔
5. محمد اسلم چوہدری، عالمی تاریخ کے اہم ادوار، الفیصل ناشران، لاہور، 2015ء۔
6. ول ڈیورنٹ، تہذیب کی داستان، نفیس اکیڈمی، کراچی، 2006ء۔
7. محمد فرید بے، تاریخ الدولۃ العثمانيہ، دارالنفائس، بیروت، 2009ء۔
8. برنارڈ لیوس، The Emergence of Modern Turkey، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2002ء۔
9. سید ابوالحسن علی ندوی، مسلمانوں پر مغرب کے اثرات، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، 2005ء۔
10. البرٹ حورانی، تاریخ الشعوب العربیہ، دارالاساقی، بیروت، 2007ء۔
11. سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ قومیت، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء۔
12. محمد کرد علی، خطط الشام، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 2001ء۔